عصر حاضر کے خاندانی نظام میں درپیش مسائل اوران کا حل-قرآنی تعلیمات کی روشنی میں

The Domestic issues of the Modaern world and their Viable Solutions in the light of Quran

ڈاکٹر خلیل الرحمن*

شمس الرحمن**

Abstract

Family is the base of any human society. Without it the presence of human society is impossible. The two spouses (husband and wife) are supposed to be the basic units of family. In order to civilize a society, it is important for both to follow the Islamic lifestyle. Islam has set a complete code of ethics for husband to follow. i.e. feeding and clothing his wife, managing a suitable residence for her, where she would live like a Queen. Same are the responsibilities been set for wives, like obeying their male spouses, taking care of his honour, not leaving her house without veil (Neqab), proper upbringing of the new generation, and not allowing entrance of Ghair Muhrrm into her home etc. If these responsibilities are fulfilled by both in the light of Quran and Sunnah, the home can be can alter into a peaceful piece of Paradise. And if the responsibilities are neglected the whole family's environment would spoil and ruin, which would bring sorrows and grieves. The current and burning household issues like torturing women, female job positions and some other prominent problems deserve to be highlighted and viewed in the light of Islam and to come up with feasible solutions for them. For it is the only way to bring pleasure and happiness to our families and society.

Keywords: Family system, household issues, solutions in the light of Quran

میاں بیوی خاندانی نظام کی ایک اکائی ہوا کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسی ذمے داری والا رشتہ ہے جس سے پورے خاندان اور سوسائٹی کی بھلائی وابستہ ہے دونوں کے کندھوں پر خاندان، وطن اور انسانیت کی ذمہ داری ہوتی ہے، ان کے کردار سے آنے والی نسلیں بھی متاثر ہوسکتی ہیں اس لیے اگران کا کردار مثبت اور ذمہ داری نبھانے کے اصول اسلوب قرآن کے مطابق ہوں توان کی اولاد اور سوسائٹی پر اس کے مثبت اثرات اور نتائج مرتب ہوں گے لیکن اگران کا کردار منفی اور ذمہ داری نبھانے کے اصول قرآنی تعلیمات سے ہٹ کر ہوں تو اس کے نتائج اوراثرات بھی پریشان کن ہوں گے۔

لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں ان اقدامات اور گھریلو مسائل کی نشاندہی کی جائے کہ جن سے میاں بیوی کے درمیان پیش آنے والے ناموافق حالات کا سدباب کیا جاسکے مثلاا گران مسائل کی وجہ سے ان میں کوئی کشیدگی یا تلخ کلامی کی نوبت آئے تو قرآنی اصولوں کی روشنی میں اس کا حل تلاش کیا جائے۔ چنانچہ قرآن حکیم اس کشیدگی اور تلخ کلامی سے بچاؤ کے لیے چند اقدامات اور کچھ اصول تجویز کرتا ہے تاکہ میاں بیوی کے درمیان اطمینان وسکون اور پیار ومحبت کی فضا قائم رہے اور اس رشتہ کے اثرات ان کی اولاد

* لیکچرر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک اسٹڈیز، یونی ورسٹی آف لورالائی، بلوچستان

** ریسرچ اسکالر، شعبہ قرآن وسنہ، یونیورسٹی آف کراچی، اسسٹنٹ ریسرچ اینڈ ٹیچر، جامعہ اشرف المدارس، کراچی

اور معاشرہ پر مثبت انداز میں مرتب ہوں۔ قرآن کریم چاہتا ہے کہ اگر میاں بیوی کے درمیان نفرت سر اٹھائے تو دونوں کی شرعی ذمے داری بنتی ہے کہ عدل وانصاف کے تقاضوں کے مطابق ان مسائل کا حل تلاش کریں۔

لہذا اس مختصر سے مقالے میں اسلوب قرآن کے مطابق اس بات کی نشادہی کی جارہی ہے کہ میاں بیوی کے اگر گھریلو مسائل کے حوالے سے کوئی معاملہ درپیش ہو جائے تو اسے کس طرح نمٹانا چاہیے، نیز ایک معیاری خاندانی نظام میں ان کا کیا کردار ہونا چاہیے؟ تاکہ اس رشتہ سے ایک اچھی اسلامی اور فلاحی سوسائٹی وجود میں آئے اور اس کے مثبت اثرات پوری انسانیت پر مرتب ہوں۔

خاندان کا تعارف

"خاندان" اردو زبان کا لفظ ہے، عربی زبان میں اس کے لیے " اسرۃ" یا" عائلۃ" کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔اس سے مراد انسانی زندگی کا وہ جوڑا ہے جس کی وجہ سے انسانی معاشرہ وجود پذیر ہو کر آگے اس سے پوری پوری نسلیں پروان چڑھتی ہیں اور اس سے انسانی زندگی کا وہ گروہ مراد ہے جس کی وجہ سے اسے پشت پناہی، طاقت اور قوت مل جاتی ہے، چنانچہ عربی لغت کی مشہور کتاب تاج العروس میں ہیں:

الأسرة (من الرجل : الرهط الأدنون) وعشيرته ؛ لأنه يتقوى بهم (1)

اس سے معلوم ہوا کہ عربی زبان میں الاسرۃ سے خاندان کے وہ دیگر افراد بھی مراد ہیں جن سے انسان کو کسی طرح تقویت اور سپورٹ ملتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے دو اہم اور بنیادی عناصر میاں بیوی ہیں، کیونکہ اس نظام کو پروان چڑھانے اور بہتر بنانے میں ان کا نہایت اساسی کردار ہوتا ہے۔اور اسی طرح عائلہ اور خاندان کو انگریزی زبان میں (Family) کہا جاتا ہے، چنانچہ انگریزی زبان کی مشہور ڈکشنری میں اس کے معنی یہ تحریر کئے گئے ہیں:

A group consisting of two parents and their children living together as a unit.(2)

اس سے والدین اور بچوں پر مشتمل وہ گروہ مراد ہے جو اجتماعیت کی شکل میں زندگی گزار رہے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ خاندان، عائلہ یا(Family) ان الفاظ میں ایک بات قدر مشترک ہے، جو اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ میاں بیوی اپنی اولاد سمیت ایک کمیونٹی کی شکل میں رہتے ہیں۔

خاندانی نظام اور پس منظر

معاشرتی زندگی کا سب سے اہم عنصر خاندان ہے، جس کے بگاڑ سے معاشرے میں بگاڑ اور فساد کا پیدا ہونا یقینی ہے، البتہ اگر یہ نظام سنوارا جائے تو معاشرے میں خود بخود سدھار آجائے گا، اور یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ خاندان کو معاشرے میں وہ حیثیت اور مقام حاصل ہے جو انسانی جسم کے اعضاء وجوارح میں دل کو حاصل ہے، کیونکہ خاندان کی اصلاح سے پوری سوسائٹی کی اصلاح ہو جاتی ہے، البتہ اس خاندانی نظام کو پروان چڑھانے والا شرعی طریقہ بھی انتہائی مبارک ہے، جس سے مراد شادی بیاہ کا وہ عقد (Agreement) ہے جو فریقین اپنی رضامندی سے تمام شرعی اصولوں کے مطابق سرانجام دیتے ہیں اور اس نظام کے تحت دو اجنبی افراد شریک حیات بن کر ایک دوسرے کے لیے آرام

وراحت اور عفت کا سبب بنتے ہیں، اور آپس کی غمی وخوشی میں شریک ہوتے ہیں۔ جسے شرعی اصطلاح میں نکاح کہا جاتا ہے۔اس دنیا میں سب سے پہلے آنے والے انسان نے خاندانی نظام کو ایک جوڑے کی شکل میں وجود بخشا، جس سے واضح ہوا کہ اس دنیا کی رونق اس کے بغیر ناممکن ہے، اور قرآنی تعلیمات سے یہ بات آشکارا ہو جاتی ہے کہ خاندانی نظام کی ابتداء حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام سے ہوئی ہے، اگرچہ ان کے نکاح کے بارے میں صراحتاً قرآن وحدیث میں تفصیل موجود نہیں ہے۔البتہ قرآن مجید میں حضرت حواء علیہا السلام کو واضح الفاظ میں حضرت آدم علیہ السلام کی زوجہ قرار دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

وقلنا یاآدم اسکن أنت وزوجك الجنة وكلا منها رغدا حيث شئتما ولا تقربا هذه الشجرة فتكونا من الظالمين-(3)

ترجمہ: اور ہم نے کہا: "اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو، اور اس میں سے جہاں سے چاہو جی بھر کے کھاؤ، مگر اس درخت کے پاس مت جانا، ورنہ تم ظالموں میں شمار ہوگے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں سب سے پہلے قدم رکھنے والی ہستی ہی سے اس نظام کو زندہ کیا جسے اب اسلام میں کافی اہمیت حاصل ہے۔ تاہم یہ ایک ایسا بندھن بھی ہے جس سے جانبین پر حقوق وفرائض اور ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

عصر حاضر کے درپیش مسائل اور ان کا حل قرآنی تعلیمات کی روشنی میں

میاں بیوی کی ذمہ داریاں اور کردار کے بعد خاندانی نظام کے حوالے سے ان مسائل کو ذکر کیا جاتا ہے جن میں آجکل لوگ افراط و تفریط کے شکار ہیں، جن کی وجہ سے خاندان میں ناچاقیاں اور تلخیاں بھی پیدا ہو گئیں ہیں، میاں بیوی کی رفاقت حیات میں بھی دوریاں بڑھ گئیں ہیں۔ تاہم ایسی حالت میں ضرورت اس امر کی ہے کہ درپیش مسائل کا قرآنی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ لیا جائے اور ان میں جو خامیاں ہیں ان کی نشاندہی کر کے قرآنی تعلیمات کے مطابق اس کا حل تلاش کیا جائے۔ ذیل میں چند اہم مسائل کو ترتیب وار ذکر کیا جائے گا:

پہلا مسئلہ: گھریلو تشدد اور حل

آج کل گھریلو تشدد کے مسئلہ نے بڑی سنگین صورتحال اختیار کر لی ہے کیونکہ شوہر نے جب سے لفظ قوام کا غلط مطلب سمجھنا شروع کیا یعنی جب سے وہ اپنے آپ کو گھر کا حاکم اور طاقتور شمار کرنے لگا، تب سے اپنے گھر والوں پر ظلم وستم ڈھانا شروع کر دیے، اس طرح کی سوچ رکھنے والے لوگوں کی عورتیں جسمانی طور پر طرح طرح کی اذیتیں اور تکالیف کا شکار ہوتی ہیں، نفسیاتی طور پر بھی انہیں ٹارچر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ شوہر نے آپنے آپ کو ڈکٹیٹر سمجھا ہے، جیسا کہ " Women in Islam " میں ہے:

The husband assumes the role of ruler, superior, controller, oppressor and master, while the wife on the other hand, is reduced to a slave, a captive, a low, inferior and submissive creature. (4)

البتہ یہ جو کچھ ہمارے معاشرے میں ہو رہا ہے یہ شریعت مطہرہ سے ناواقفیت کی بنیاد پر ہو رہا ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں عورتوں کا ذکر کر کے فرمایا کہ "یہ بہت ہی بری بات ہے کہ تم میں سے ایک شخص اپنی بیوی کو اس طرح مارتا ہے جس

طرح آقا اپنے غلام کو مارتا ہے، حالانکہ دوسری طرف اس سے جنسی خواہشات بھی پوری کرتا ہے۔

وذكر النساء فقال يعمد أحدكم فيجلد امرأته جلد العبد فلعله يضاجعها من آخر يومه-(5)

اور واقعی یہ غیر اخلاقی بات ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ اپنی بیوی کو مارنا جائز نہیں ہے، اسی طرح ایک دوسری روایت میں بھی حضور ﷺ نے اپنے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم اللہ تعالی کی باندیوں (اپنی بیوں) کو نہ مارو، چنانچہ ارشاد گرامی ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : لا تضربوا إماء الله-(6)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی کو مارنا جائز نہیں ہے کیونکہ مذکورہ روایت میں حضور ﷺ نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو منع فرمایا ہے۔ البتہ اگر شوہر واقعتاً یہ محسوس کرے کہ اس میں بعض باتیں ایسی ہیں جو نا قابل برداشت ہیں تو ایسی حالت میں عورت کی اصلاح بھی ضروری ہے کیونکہ شوہر نگران اور منتظم ہونے کی وجہ سے اس بات کا مکلف ہے کہ وہ قرآنی تعلیمات کے مطابق اپنی بیوی کی اصلاح کی فکر کرے، لیکن طریقہ وہ اختیار کرے جو قرآن مجید نے اسے سمجھایا ہے اور اس کے تمام جزئیات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

چنانچہ قرآنی تعلیمات میں واضح احکام موجود ہیں، جن میں یہ بتلایا گیا ہے کہ کس صورت میں بیوی کو مارنا جائز ہے اور کس صورت میں نہیں؟ اور اگر مارنا جائز ہے تو اس کا طریقہ کیا ہے؟ غرض قرآن مجید میں اس پہلو کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے تاکہ امت کی عورتوں پر ظلم کے پہاڑ نہ توڑے جائیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں عورت کو مارنے کے حوالے سے درج ذیل آیت کریمہ میں ترتیب وار احکام موجود ہیں، ارشاد ربانی ہے:

واللاتي تخافون نشوزهن فعظوهن واهجروهن في المضاجع واضربوهن-(7)

ترجمہ: اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو تو (پہلے) انہیں سمجھاؤ، اور (اگر اس سے کام نہ چلے تو) انہیں خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو، (اور اس سے بھی اصلاح نہ ہو تو) انہیں مار سکتے ہو۔

مذکورہ نصوص سے اس بات کی وضاحت ہو گئی ہے کہ عام حالات میں بیوی کو مارنا جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر واقعتاً اس میں کوئی خرابی موجود ہے تو اس کی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے لیکن وہ اصلاح کیسے کی جائے اس کے بارے میں قرآن مجید کی درج بالا آیت کریمہ میں تین درجے بیان ہوئے ہیں: وہ یہ ہیں:

(1) سب سے پہلا درجہ یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی میں کوئی غلطی دیکھی تو پہلے اسے اچھے طریقے سے سمجھائے بجھائے چاہئے، نرمی، خوش اخلاقی، اور پیار و محبت سے اس سے گفتگو کرے۔ کیونکہ ارشاد باری تعالی ہے کہ: " فعظوهن " یعنی " انہیں نرمی سے سمجھاؤ"۔ تاکہ نصیحت ہی کی وجہ سے وہ اپنی غلطی سے باز آئے۔

(2) دوسرا درجہ یہ ہے کہ اگر اس کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو جائے یعنی نصیحت کام نہ آئے پھر اس کے ساتھ سونا چھوڑ دو، اس کا بستر علیحدہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ ارشاد گرامی ہے کہ " واهجروهن في المضاجع" یعنی "اور (اگر اس سے کام نہ چلے تو) انہیں خواب گاہوں میں

تنہا چھوڑ دو" تاکہ وہ تنہائی میں اپنے آپ کو محسوس کریں، اور یہ جسمانی طور پر فراقت کی مشقت میں مبتلاء ہو جائیں۔ اب اگر عقل سلیم اور فہم صحیح ہو تو وہ باز آجائیں گی۔

(3) البتہ اگر یہ علیحدگی بھی کام نہ آئے پھر آخری درجہ یہ ہے کہ اسے ہلکا پھلکا مار لو۔ اور یہ آخری درجہ ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے "واضربوھن" یعنی (اور اس سے بھی اصلاح نہ ہو تو) انہیں مار سکتے ہو"۔

تاہم یہ مار کیسی ہونی چاہئے؟ اس کی تحدید بھی شریعت نے مقرر کی ہے، کیونکہ مارنے کی پھر بھی کھلی چھوٹ شریعت نے نہیں دی ہے، بلکہ اس کے بارے میں بھی ارشادات موجود ہیں، چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے بہت ساری نصیحتیں کیں، ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی کی کہ عورتوں کو نہ مارو، البتہ اگر اس کے بغیر کوئی چارہ باقی نہ رہے، پھر ایسا مارو کہ اس میں تکلیف دینا مقصود نہ ہو، بلکہ اصلاح مقصود ہو اور وہ مار ایسی نہ ہو کہ جس سے نشان پڑ جائے۔ جیسا کہ ارشاد گرامی ہے:

فإن فعلن ذلك فاضربوهن ضربا غير مبرح-[8]

ترجمہ: اگر وہ عورتیں نافرمانی کا ارتکاب کریں تو انہیں مار دو، ایسی مار ہو جس سے نشان نہ پڑ جائے۔

مذکورہ نصوص سے یہ معلوم ہوا ہے کہ شوہر اپنی قوامیت کا غلط فائدہ اٹھا کر اپنی بیوی کو نہیں مارنا چاہئے، کیونکہ اسلامی قانون میں عورت پر ظلم کرنا برداشت نہیں کیا جاتا جیسا کہ مذکورہ روایت میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالی نے عورتوں کو مارنے سے منع فرمایا ہے، البتہ اگر واقعی کسی ایسی غلطی کا خدشہ ظاہر ہو جائے، جس کی اصلاح شوہر ضروری سمجھتا ہو، تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ درج بالا قرآنی تعلیمات کو سامنے رکھ کر اس کے مطابق اس کی اصلاح کی کوشش کرے تاکہ افراط و تفریط کا شکار نہ ہو۔

دوسرا مسئلہ: عورت کی ملازمت اور حل

عصر حاضر کے خاندانی نظام میں ایک مسئلہ عورت کی ملازمت کا ہے، جس میں افراط و تفریط سے کام لیا جا رہا ہے، کیونکہ بعض گھرانوں میں عورت پر ملازمت کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے، جس کی وجہ سے عام طور پر اس نظام سے چپقلش اور دوریاں آتی ہیں اور بعض دفعہ عورت کی بذات خود یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ ملازمت اختیار کرے، بہر حال جو بھی صورت ہو اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو اسلام میں کسی بھی عورت کے ناتواں کندھوں پر ملازمت اور پیسے کمانے کا بوجھ نہیں ڈالا گیا ہے، بلکہ عورت جب تک شادی نہ کر لے تب تک اس کا نان و نفقہ اور خرچہ ترتیب وار اس کے والد، بھائی اور چچا وغیرہ پر ہے، البتہ جب شادی کی بندھن میں آجائے پھر اس کا سارا خرچہ شوہر کے ذمہ واجب ہے۔[9]

تو اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا خود ملازمت کی خواہش کرنا یا شوہر کی طرف سے ملازمت پر مجبور کرنا عام حالات میں درست نہیں، کیونکہ اسلامی خاندانی نظام میں یہ جو ذمہ داریوں کی تقسیم ہوئی ہے اس کا پیش نظر یہ تھا کہ عورت داخلی محاذ کی تقویت کو ترجیح دے اور اسے مضبوط اور مستحکم کرنے کے لیے یکسو رہے۔ اس لیے خاندان کے تمام مصارف پورا کرنے کی ذمہ داری مرد کے کندھوں ڈال دی گئی ہے۔ عورت کے ذمہ نان نفقہ اور خرچہ کچھ بھی لازم نہیں ہے، البتہ اگر واقعی اس کی مجبوری ہو اور اس کے پاس پیسے کمانے کی کوئی صورت نہ ہو تو پھر

دوسروں کے سامنے ہاتھ پھلانے سے بہتر یہ ہے کہ وہ خود کمائی کرے، مثلا اس کا شوہر انتقال کر جائے یا شوہر معذور اور محتاج ہو، یا اور کوئی اسی طرح کا صورت حال پیش آئے کہ شوہر کی کمائی سے گھر کا نارمل خرچہ بھی برداشت نہیں ہوتا، دوسرا کوئی ذریعہ معاش بھی نہ ہو پھر شریعت مطہرہ ملازمت یا کاروبار کرنے کی اجازت درج ذیل چند شرائط کے ساتھ دیتی ہے:

عورت کی ملازمت کی شرائط

شریعت مطہرہ میں عورت کو مخصوص حالات میں ملازمت یا کاروبار کرنے کی اجازت دی ہے، بشرطیکہ درج ذیل شرائط موجود ہوں:

(1) شوہر کی اجازت ہو

اگر کسی عورت کا شوہر زندہ ہو اور اس کا ذریعۂ معاش ایسا نہ ہو جس سے گھر چلایا جاسکے، یا کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے وہ کمانے کے قابل نہ ہو، تو اس صورت میں اس کی بیوی کاروبار یا ملازمت اختیار کر سکتی ہے، بشرطیکہ شوہر اس کی اجازت دے، کیونکہ خاندانی نظام میں عورت کی بحیثیت بیوی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کی مطیع وفرمانبردار رہے۔ یہی قرآن مجید کا بھی فیصلہ ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

فالصالحات قانتات۔[10]

ترجمہ: چنانچہ نیک عورتیں فرمانبردار ہوتی ہیں۔

لہذا اس سے معلوم ہوا کہ شوہر کی اجازت کو حاصل کرنا کاروبار یا ملازمت کے لئے ضروری ہے۔

(2) گھر اور بچوں کی تربیت متاثر نہ ہو

شریعت مطہرہ نے عورت کی ذمہ داریاں گھر کی چاردیواری تک محدود قرار دی ہیں، جو درحقیقت اس کی عزت وناموس اور آبرو کا لحاظ رکھا گیا ہے، لہذا اگر ملازمت یا کاروبار اختیار کرنے کی وجہ سے اس کے گھر کے امور میں یا اس کے بچوں کی تعلیم وتربیت ونگرانی میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ نہ ہو، پھر بحالت مجبوری اس کی اجازت ہے کہ وہ کاروبار یا ملازمت اختیار کرے، ورنہ نہیں، کیونکہ حدیث مبارکہ میں عورت کو اپنے شوہر کے گھر اور بچوں کی پرورش ونگرانی کا ذمہ دار مقرر فرمایا ہے، جیسا کہ ارشاد گرامی ہے:

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول كلكم راع ومسئول عن رعيته والمرأة في بيت زوجها راعية ومسئولة عن رعيتها۔[11]

اس سے معلوم ہوا کہ اگر گھر کی نگرانی اور بچوں کی تربیت وغیرہ متاثر ہو رہی ہے پھر ملازمت کرنا درست نہیں، البتہ اگر ایسی کوئی صورت پیش نہ آئے تب ملازمت یا کاروبار میں عورت کے لیے حصہ لینا درست ہے۔

(3) پردہ کا التزام ہو

آج کل کے پرفتن دور میں عورت کے لیے لازمی ہے کہ اپنے گھر کی چاردیواری سے باہر نہ نکلے۔ البتہ اگر مجبوری کی وجہ سے نکلنا پڑے پھر مکمل طور پر باپردہ ہو کر نکلے، اور بڑی چادر سے اپنے آپ کو ڈھانپ لے، یا برقع اوڑھ کر گھر سے نکلے اور ساتھ ہتھیلی اور چہرہ۔ کیونکہ اللہ رب

العزت نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرکے فرمایا ہے:

یاأیها النبي قل لأزواجك وبناتك ونساء المؤمنین یدنین علیهن من جلابیبهن ذلك أدنی أن یعرفن فلا یؤذین وکان الله غفورا رحیما۔ (12)

ترجمہ: اے نبی تم اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی چادریں اپنے (منہ کے) اوپر جھکالیا کریں، اس طریقے میں اس بات کی زیادہ توقع ہے کہ وہ پہچان لی جائیں گی، تو ان کی ستایا نہیں جائے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

مذکورہ آیت مبارکہ میں ازواج مطہرات سمیت تمام امت کی عورتوں کو یہ حکم ہے کہ وہ اپنے گھر سے نکلنے کے وقت ایک بڑی چادر اوڑھ کر اپنے آپ کو اس سے ڈھانپ لے پھر نکلیں، تو معلوم ہوا کہ آجکل کے فتنے کے دور میں پردہ کرنا عورت کے لیے اور بھی زیادہ ضروری ہے، بلکہ ہتھیلی اور چہرہ کے پردے کا بھی اہتمام ہو، چنانچہ مذکورہ آیت کریمہ کی تشریح میں مفتی محمد شفیعؒ نے تحریر فرمایا ہیں کہ فتنے کے دور میں آئمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت باپردہ ہو کر نکلے، اس کے بغیر اس کے لیے نکلنا جائز نہیں، چنانچہ معارف القرآن میں اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

آئمہ اربعہ میں سے امام مالکؒ امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ تین اماموں نے تو پہلا مذہب اختیار کر کے چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کی مطلقاً اجازت نہیں دی، خواہ فتنہ کا خوف ہو یا نہ ہو، امام اعظم ابو حنیفہؒ نے اگرچہ دوسرا مسلک اختیار فرمایا مگر خوف فتنہ کا نہ ہونا شرط قرار دیا اور چونکہ عادۃ یہ شرط مفقود ہے اس لئے فقہاء حنفیہ نے بھی غیر محرموں کے سامنے چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کی اجازت نہیں دی۔ (13)

اس سے معلوم ہوا کہ اس پر فتن دور میں مذاہب اربعہ کے نزدیک پردہ کرنا ضروری ہے، تاہم اس طور پر پردے کا اہتمام ہو کہ اس میں ہتھیلی اور چہرہ بھی ظاہر نہ ہو۔

(4) غیر مردوں سے اختلاط نہ ہو

جس طرح عورت کے لیے ملازمت کے وقت پردہ کرنا ضروری ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ نامحرم مردوں سے اختلاط بھی نہ کرے، کیونکہ نامحرم مردوں کے ساتھ اختلاط کرنا عورت کی عزت وناموس کے لیے خطرے کی گھنٹی ہے جو عورت کے لیے سم قاتل ثابت ہو سکتا ہے، کیونکہ حضور ﷺ کا رشاد گرامی ہے جب کبھی اجنبی مرد اور عورت آپس میں ملتے ہیں تو ان کے درمیان تیسرا شیطان ہوتا ہے، چنانچہ ارشاد گرامی ہے:

عن النبي صلی الله علیه وسلم قال: لا یخلون رجل بامرأة إلا کان ثالثهما الشیطان۔ (14)

ترجمہ: حضور ﷺ سے روایت ہے کہ کوئی اجنبی مرد اور عورت ملتے ہیں تو ان کے درمیان تیسرا شیطان ہوتا ہے۔

اسی طرح دور نبوی ﷺ میں مدینہ منورہ کی گلی میں اچانک عورتوں کا مردوں کے ساتھ اختلاط ہو گیا تو جب حضور ﷺ کو واقعہ کا پتہ چلا تو اس کے خلاف انہوں نے سخت رد عمل کا اظہار کیا، اور عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم پیچھے ہو جاؤ، تمہارے لیے راستہ پر قبضہ

کرنا درست نہیں، تم راستہ کے کنارے پر چلو، رواوی فرماتے ہیں کہ اس کے بعد عورتیں دیواروں کے ساتھ بالکل چپک کر چلتی تھیں، یہاں تک کہ بعض دفعہ ان کی چادریں دیوار کے ساتھ الجھ جاتی تھیں۔ (15)

اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو اجنبی مردوں کے ساتھ اختلاط کرنے سے بچنا شرعی قوانین کی رو سے ضروری ہے۔ مذکورہ نصوص سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جس طرح غیر محرم کے ساتھ عورت کا اختلاط ناجائز ہے اسی طرح اس کے ساتھ اس کی خلوت بھی جائز نہیں۔ البتہ فقہائے کرام نے یہ تحریر فرمایا ہیں کہ جہاں پر فتنے ظاہر ہونے کا خوف نہ ہو، وہاں پر کوئی حائل یا محرم ہو، اور یا اس کے علاوہ کوئی قدرت رکھنے والی خاتون موجود ہو پھر اگر اختلاط ہو جائے تو اس کی گنجائش ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں:

والذي تحصل من هذا أن الخلوة المحرمة تنتفي بالحائل وبوجود محرم أو امرأة ثقة قادرة۔(16)

(5) عورت اپنی آواز میں نرمی پیدا نہ کرے

اگر عورت کو اپنی ذمہ داریاں سرانجام دینے کے اوقات میں کسی نامحرم سے گفتگوں کرنے کی نوبت آئے، تو شریعت مطہرہ نے اس کے لیے یہ اصول وضع فرمائے ہیں کہ وہ نامحرم سے گفتگو کے دوران نرمی اور شیرینی اختیار نہ کرے۔ بلکہ گفتگو میں متانت اور سنجیدگی ہونی چاہئے، چنانچہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

یانسآء النبی لستن کأحدٍ من النسآء إن اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه مرضٌ وقلن قولا معروفا (17)

ترجمہ: اے نبی کی بیویو! اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، لہذا تم نزاکت کے ساتھ بات مت کیا کرو، کبھی کوئی ایسا شخص بیجا لالچ کرنے لگے جس کے دل میں روگ ہوتا ہے، اور بات وہ کہو جو بھلائی والی ہو۔

آیت کریمہ میں ازواج مطہرات سے یہ خطاب ہے کہ گفتگو میں نرمی اختیار نہ کریں تو امت کی دیگر عورتوں کو بطریق اولی اس سے بچنا چاہئے اور ان کو نامحرم مرد کے ساتھ بات کرنے میں نرم اور نازک لہجہ اختیار کرنے کے بجائے متانت اور سنجیدگی والا لہجہ اختیار کرنا چاہئے۔

تیسرا مسئلہ: عورت سے گھر کی خدمت لینا اور حل

آج کے دور میں گھریلو مسائل میں ایک مسئلہ عورت سے خدمت لینے کا ہے کیونکہ بعض خاندانی نظام میں شوہر اس سے گھر کی خدمت لیتا ہے اس کی بیوی خدمت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی تو اس کی وجہ سے آپس میں لڑائیاں اور جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں، تو اس طرح کشدگیوں سے بچنے کے لیے عصر حاضر میں شریعت کے اصول کو مدنظر رکھنا ضروری ہیں تاکہ عورت سے گھر کی خدمت لینے میں جو لوگ افراط و تفریط کے شکار ہوئے ہیں وہ اس سے بچ جائے، کیونکہ بعض علاقوں میں یہاں تک بھی عورت کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے کہ اگر روٹی میں نمک زیادہ ڈل گیا ہو تو اس کی وجہ سے عورت کو مارا پیٹا جاتا ہے، گویا کہ عورت گھر کی نوکرانی سمجھی جاتی ہے، اسی طرح ساس سسر کی خدمت بھی عورت کے ذمہ داری سمجھی جاتی ہے، حالانکہ نبی کریم ﷺ کے فرامین سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے ذمہ کھانے پینے کی چیزیں تیار کرنا اور گھر کی یا ساس اور سسر کی خدمت لینا وغیرہ عورت کے ذمہ نہیں ہے، چنانچہ ارشاد گرامی ہے:

فقال ألا واستوصوا بالنساء خيرا فإنما هن عوان عندكم ليس تملكون منهن شيئا غير ذلك -[18]

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کے اچھا برتاؤ کیا کرو کیونکہ وہ تمہارے پاس گھروں میں مقید رہتی ہیں (ان پر تمہیں صرف اتنا حق حاصل ہے) ان کے علاوہ شرعا تمہارا ان پر کوئی مطالبہ نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ عورت کی صرف یہ ذمہ داری ہے کہ وہ شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے نہ نکلے، اور شوہر کو شرعا یہ اختیار حاصل ہے کہ اسے باہر نکلنے سے منع کرے، باقی اس سے کھانا، پینا یا دیگر گھر کی خدمات لینا شرعا شوہر کو اختیار حاصل نہیں ہے اور اس کی بیوی کی شرعا یہ ذمہ داری بھی نہیں ہے، چنانچہ فقہائے کرام نے یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ اگر کوئی عورت میکے آنے سے پہلے والدین کے گھر پر روٹی سالن وغیرہ پکاتی تھی، اب وہ شوہر کے گھر پر نہیں پکاتی، تو اب شوہر اس سے یہ خدمت قضاء تو نہیں لے سکتا، البتہ دیانت کا تقاضہ یہ ہے کہ عورت یہ خدمت سرانجام دینا شروع کردے یعنی اخلاقا اس کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ کھانا وغیرہ پکائے۔ تاہم اگر یہ عورت کسی ایسے گھرانے سے تعلق رکھتی ہے کہ جس میں نوکر وغیرہ سے خدمت لی جاتی تھی یعنی اس نے والدین کے گھر پر بھی کھانا نہیں پکایا تو شوہر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کے لیے تیار کھانا مہیا کرے، اب کھانا تیار کرنے کی عورت کی قضاء ذمہ داری بنتی ہے اور نہ دیانۃ۔ [19]

مذکورہ نصوص سے معلوم ہوا کہ گھر کی خدمت عورت کی اگرچہ شرعا ذمہ داری تو نہیں ہے لیکن حسن معاشرت کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنی طاقت کے مطابق وہ گھر کی خدمت سرانجام دے، کیونکہ خاندانی زندگی میں میاں بیوی کا تعلق پر سکون، مؤدت و محبت والا ہونا چاہئے، یہ تعلق خشک قانون سے نہیں نبھایا جاسکتا، لہذا اگر خوشی و رضامندی سے تقسیم کار اس طرح ہو جائے کہ گھر سے خارجی کام شوہر کے ذمہ ہو اور اندرون خانہ کی ذمہ داریاں عورت سرانجام دے، اور یہی تقسیم حضور ﷺ کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ الزہرا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان ہوئی تھی، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی محترمہ ماں کو مخاطب کرکے فرمایا:

قال علي لأمه فاطمة بنت أسد: "اكفي فاطمة بنت رسول الله الخدمة خارجا: سقاية الماء والحاجة، وتكفيك العمل في البيت: العجن والخبز والطحن "[20]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی والدہ محترمہ فاطمہ بنت اسد سے فرمایا کہ میں فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ کو پانی بھر کر لایا کروں گا، اور اس کی باہر سے خدمت کروں گا، اور وہ آپ کے لیے گھر کے کام کاج کرے گی، یعنی آٹا گوندھنا، روٹی پکانا اور وغیرہ۔

مذکورہ روایت سے معلوم ہوا کہ خاندانی زندگی خشک قانون سے پر سکون اور آرام دہ نہیں بن سکتی، بلکہ حسن معاشرت اور تعاون سے خوشگوار اور پر سکون بن سکتی ہے، اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپس میں گھریلو معاملات کو تقسیم کر رکھے تھے یعنی باہر کے کام کاج حضرت علی رضی اللہ سرانجام دیا کرتے تھے اور اندرون خانہ کے کام حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سرانجام دیتی تھیں۔

خلاصہ

انسانی معاشرے کی تشکیل میں خاندانی نظام کی حیثیت اس بنیادی اینٹ کی سی ہے جس پر تمدن و معاشرے کی عظیم الشان عمارتیں تعمیر ہوتی

ہیں، کیونکہ سوسائٹی کی بقااس کے بغیر صرف مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے، البتہ اس نظام کو پروان چڑھانے میں میاں بیوی بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لیے ان کا کردار بھی ایسا ہونا چاہئے جو قرآنی تعلیمات کے عین مطابق ہو، تاکہ خاندانی نظام تعمیر وترقی کی طرف گامزن ہو سکے۔ اب اگر مذکورہ ذمہ داریوں کو قرآنی تعلیمات کے مطابق نبھایا جائے تو پھر ان کے ثمرات بھی ایک پر سکون اور خوشگوار گھرانے کی صورت میں معاشرے میں نظر آئیں گے۔ لیکن اگر خدانخواستہ ان سے غفلت برتی گئی پھر خاندانی نظام بگاڑ اور فساد کے باعث غم اور پریشانیوں کا شکار رہے گا۔ اسی طرح عصر حاضر کے درپیش گھریلو مسائل مثلاً عورت پر تشدد کا مسئلہ، عورت کی ملازمت کا مسئلہ اور عورت سے گھر کی خدمت کا مسئلہ کے حل کی طرف خاص کر توجہ دینی چاہئے، تاکہ ان کا بھی ذکر کردہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حل تلاش کیا جائے، تب خاندانی نظام، آئے روز کی لڑائیوں اور جھگڑوں سے خلاصی پاکر ترقی کی راہ پر گامزن ہو گا۔

نتائج وسفارشات

خاندانی نظام معاشرے کا ایک بنیادی ادارہ ہے۔ جس کی کامیابی اور ناکامی میاں بیوی پر موقوف ہیں۔ خاندانی نظام کے اندر بگاڑ پیدا کرنے والے درپیش مسائل پر غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ وہ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں حل ہو جائیں۔

خاندانی نظام کے گھریلو مسائل کا حل اور اس کی تعمیر وترقی کے لیے ضروری ہے کہ میاں بیوی کے رشتہ میں قدر واحترام، محبت وراحت، ہم آہنگی اور تعاون کا جذبہ ہو۔ خداشناسی اور خداترسی، علوم شرعیہ کی واقفیت، مطالعہ سیرت، اخلاقی ودینی تربیت، اسلامی اقدار وثقافت کی پیروی، مغربی تہذیب کی تردید، فرائض وذمہ داریوں سے آگہی، تعلیم نسواں وتعلیم بالغان کی سعی، باہمی رضامندی اور مشاورت، معاشی اور تمدنی وسائل کی فراہمی، صبر وتحمل، حسن سلوک اور حسن معاشرت، ایثار اور درپیش مسائل میں شرعی رہنمائی لینا وغیرہ، مذکورہ تجاویز پر عمل پیرا ہونے سے ایک اچھا خاندان تشکیل پائے گا۔

لہذا خاندان کے باثر افراد، اہل علم ودانش اور ارباب قوت واقتدار کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ درج بالا اقدامات کے لیے اپنی استطاعت کے مطابق بھرپور کوشش کریں۔

مصادر ومراجع

(1)الزبیدی ، محمد بن محمد بن عبد الرزاق الحسيني ،أبو الفيض ، الملقب بمرتضى ، الزبيدي، تاج العروس من جواهر القاموس،جلد10،ص51، الناشر دار الهداية

(2) https://en.oxforddictionaries.com/definition/family 3-08-2018

(3)[القرآن: البقرۃ: 2-35]

نوٹ: قرآن مجید کی آیات مبارکہ کے ترجمہ کے لیے، مفتی تقی عثمانی کا ترجمہ " آسان ترجمہ قرآن" منتخب کیا گیا ہے۔

(4) Women in Islam valium.2. pg.529 by Naseem Ahmed, Publisher, New Delhi: A.P.H. Pub. Corp. 2011.

(5)البخاري ، محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة البخاري، أبو عبد الله، الجامع الصحيح للبخارى ،حديث

نمبر:4942،جلد6،ص169،المحقق:محمد زهير بن ناصر الناصر، الناشر : دار طوق النجاة، الطبعة : الأولى 1422هـ

(6)السجستاني ، أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد بن عمرو الأزدي السجستاني (المتوفى: 275هـ)، سنن أبي داود،حديث نمبر:2146،جلد3،ص479، المحقق: شعيب الأرنؤوط - محمد كامل قره بللي، الناشر: دار الرسالة العالمية، الطبعة: الأولى، 1430 هـ - 2009 م

(7)(القرآن: النساء: 4-34)

(8)النسائي، أبوعبدالرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (المتوفى: 303هـ)، السنن الكبرى للنسائى،حديث نمبر:3987،جلد4،ص155،حققه وخرج أحاديثه: حسن عبد المنعم شلبي، قدم له: عبد الله بن عبد المحسن التركي،الناشر: مؤسسة الرسالة – بيروت، الطبعة: الأولى، 1421 هـ - 2001 م

(9)(القرآن:البقرة: 2-233)

(10) (القرآن: النساء: 4-34)

(11)البخاري ، محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة البخاري، أبو عبد الله، الجامع الصحيح للبخارى ،حديث نمبر:2751،جلد4،ص6،المحقق:محمد زهير بن ناصر الناصر، الناشر : دار طوق النجاة، الطبعة : الأولى 1422هـ

(12)(القرآن: الاحزاب:33-59)

(13)**شفیع، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، جلد7، ص217-218، مکتبہ معارف القرآن کراچی، طبع جدید، 1429-2008ء**

(14)أبوعيسى، محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي، الجامع الصحيح سنن الترمذي،حديث نمبر:1171،جلد3،ص466، تحقيق : أحمد محمد شاكر وآخرون،الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت،

(15)السجستاني ، أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد بن عمرو الأزدي السجستاني (المتوفى: 275هـ)، سنن أبي داود،حديث نمبر:5272،جلد7،ص543، المحقق: شعيب الأرنؤوط - محمد كامل قره بللي، الناشر: دار الرسالة العالمية، الطبعة: الأولى، 1430 هـ - 2009 م

(16)**ابن عابدین، علامہ محمد امین الشہیر بابن عابدین، حاشیۃ رد المختار علی الدر المختار شرح تنویر الأبصار فقہ أبو حنیفۃ. جلد6، ص368، الناشر دار الفکر للطباعۃ والنشر. بیروت، سنۃ النشر 1421ھ - 2000م.**

(17)(القرآن: الأحزاب : 33 - 32)

(18)أبو عيسى،محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي، الجامع الصحيح سنن الترمذي،حديث نمبر:1163،جلد3،ص467، تحقيق : أحمد محمد شاكر وآخرون،الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت،

(19)الشيخ نظام وجماعة من علماء الهند، الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان، العالمكيرية،جلد1،ص548، الناشر دار الفكر، سنة النشر 1411هـ - 1991م

(20)أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواستي العبسي (المتوفى: 235هـ)، المصنف لابن ابى شيبة في الأحاديث والآثار،حديث نمبر: 34502،جلد7،ص101،المحقق: كمال يوسف الحوت،الناشر: مكتبة الرشد – الرياض، الطبعة: الأولى، 1409